مولانا محمد عزیز الحق قادری

اسلام کا نظامِ اخلاق

اسلام کا دائرہ اخلاق وسیع اور کائنات کی اکثر و بیشتر چیزوں پر پھیلا ہوا ہے۔ اخلاق سے مراد بندوں کا آپس میں ان حقوق و فرائض کو پورا کرنا جس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ جو شخص اس فرض کی کوتاہی کا شکار ہوتا ہے وہ رذائل کے سیلاب میں گِر جاتا ہو۔ معاشرے کی اصلاح صرف اخلاق حسنہ سے ہی ہو سکتی ہے۔ یہ اخلاق کا دائرہ ہمارے رشتہ داروں سے نکل کر ملت و وطن بلکہ حیوانات کو بھی اپنے اندر سمو لیتا ہو۔ اخلاق حسنہ ہی کی تکمیل کے لیے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ کو معلم اخلاق بنا کر مبعوث کیا گیا۔ ناطق صادق صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق ۃ — میں تکمیل اخلاق حسنہ کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔ بیہقی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالے عنہ سے پوچھا گیا۔ کہ حضور علیہ السلام کے اخلاق کیا تھے۔ فرمایا۔

کان خلقہ القرآن .... ۃ — تمام قرآن آپ کا خُلق مبارک ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالے عنہ نے اپنے بھائی کو مکہ شریف میں بھیجا کہ نئے پیغمبر کے حالات سے مجھے آکر مطلع کرنا۔ انہوں نے واپس آکر جہاں اور الفاظ ادا کیے وہاں یہ بھی تھے۔

رأیتہ یامر بمکارم الاخلاق (مسلم) — میں نے انہیں دیکھا وہ لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں۔

اور یہی وہ پاک تعلیم ہے جیسے قرآن کریم کہتا ہے۔

ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (جمعۃ) اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں۔ اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں۔

یعنی وہ نبی تزکیہ بھی کرتے ہیں اور حکمت کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔ آئینہ دل کو صاف اور صیقل کر کے ہر قسم کی نجاستوں و غلاظتوں کو اس سے صاف کرتے ہیں۔ اور اسے نکھار کر پیش فرماتے ہیں۔ حکمت وہ نور الٰہی ہو جو سینہ اچھے بے کینہ مصطفےٰ علیہ السلام میں علم و عرفان کی صورت میں رکھا جاتا ہے۔ کبھی اس سے احکام و سنن ظاہر ہوتے ہیں کبھی اس سے علم و عرفان کے وہ علمی نتائج سامنے آتے ہیں جن میں بہت بڑا حصہ اخلاقی تعلیمات کا ہے۔ قرآن کو دیکھ جہاں حکمت

کا لفظ استعمال کر رہا ہو۔ اس سے قبل کیا چیزیں ارشاد فرمائی ہیں۔

سورۃ بنی اسرائیل میں توحید۔ والدین کی اطاعت و تعظیم۔ قرابت داروں اور محتاجوں کی امداد کی نصیحت۔ اور فضول خرچی۔ بخل۔ اولاد کشی۔ بدکاری۔ کسی بے گناہ کی جان لینے سے، یتیموں کے ستانے سے، ممانعت کے بعد ایفاء عہد کرنے، ٹھیک ناپنے اور تولنے اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنے کی تاکید کے بعد ارشاد فرمایا گیا۔ ذلک مما اوحی الیک ربک من الحکمۃ ؁ بنی اسرائیل۔

عبادات اور اخلاق:۔

قرآن کریم کی نظر میں اخلاق کی اہمیت، عبادات کی اہمیت سے کم نہیں ہے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ عبادات بھی اخلاق حسنہ کی تربیت اور تکمیل کے لیے ہیں۔ کیا قرآن نے نماز کے متعلق نہیں فرمایا۔
ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر ؁ نماز کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہو کر وہ رذیل اخلاق کو دور کر کے اچھے اخلاق کی نشوونما کرتی ہے۔

خشیت الٰہی کا منبع نماز ہی ہے۔ جس سے محبت الٰہی اور عصمت معبودیت کا جوہر پیدا ہو کر انسان کو برائی کے محل میں جانے سے روکتا ہو اور یہی وہ جوہر ثمین ہے۔ جو معاشرہ کے اخلاق درست کرتا ہے۔ جس سے اخلاق حمیدہ نشوونما پاتے ہیں۔ زکوٰۃ سرتاپا، غم خواری اور انسانی ہمدردی کا سبق ہے۔ جو غربا کی پرورش معاشرہ کے افراد کی ضروریات کے لیے فرض کی گئی ہے۔

مال کو خرچ کرنے سے حب مال کا ناسور بڑھنے نہیں پاتا اس لیے نبی صادق مخبر عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

حب المال راس کل خطیئۃ .... ؁ ہر گناہ کی جڑ مال کی محبت ہے۔

معاشرے کے رذیل اخلاق کا اس سے قلع قمع ہو جاتا ہے۔

مساکین کو امراء سے اور امراء کو مساکین سے اعطاء زکوٰۃ کی وجہ سے۔ مودت و شفقت آپس میں بڑھتی ہے روزہ سے خواہشات نفسانی کے "دیو" کے جذبات غیر مہذبات سرد ہو جاتے ہیں۔ جس کا اخلاق سے بہت گہرا رشتہ ہے۔ بہت سے رذیل اخلاق جو آدمی کے لیے ناسور بنے ہوئے تھے۔ چلے جاتے ہیں۔ قوت ملکیہ کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ جس سے انجلائے روح اور علم و معرفت کا خزینہ ملتا ہے۔ قوت ملکیہ کا اعتدال ہمیں حکمت جیسی انمول چیز عطا کرتا ہے جو خیر کثیر کا سبب ہے۔ ظلم سے اجتناب اسی قوت سے ہوتا ہے جس کے سبب معاشرہ کی اصلاح ہوتی ہے۔ حج بھی ہماری اصلاح کا سبب ہے۔ اس کے مختلف طریقے ہماری اخلاقی اصلاح و ترقی کا ذریعہ بنتے ہیں

حقیقت تو یہ ہے کہ اخلاق حسنہ اظہار ایمان کی علامت و نشانی ہے۔ ایمان کے نتائج و آثار اخلاق حسنہ ہی ہیں۔ اخلاق حسنہ ہی نمونہ و علامت ہیں تقوے کے لیے، تقویٰ ہی وہی چیز ہے جو ہر نیکیوں کی محرک ہے۔ اور تقویٰ ہی کا اخلاق حسنہ میں سب سے زیادہ حصہ ہے۔ اللہ کے مقرب بندے کی نشانیاں بھی اخلاق حسنہ کے اظہار پر ہی ہوتی ہیں۔ مقرب بندے وہ ہوتے ہیں جو عفو و درگذر کرنے والے ہوں۔ قتل و خونریزی و بدکاری، چوری، ڈاکہ، مکروفریب سے پرہیز کرنے والے ہوں۔ جھوٹ و کذب، ظلم، مکروفریب سے بہت دور رہوں۔

حضور علیہ السلام کی تعلیمات میں اخلاقی حیثیت کو کیا درجہ حاصل تھا۔ مندرجہ ذیل احادیث پر نظر ڈالیے۔

واھدنی لاحسن الاخلاق

لایھدی لاحسنھا الا انت۔ واصرف عنی سیئاتھا لا یصرف عنی سیئاتھا الا انت۔۔۔ مسلم

اس حدیث میں حسنِ اخلاق کو طلب کیا جارہا ہے اور رذیل اخلاق کو دور کرنے کی عرض کی گئی ہے۔ فرمایا اے میرے اللہ مجھے بہتر سے بہتر اخلاق کی ہدایت عطا فرما اور ان اخلاق حمیدہ کی راہ تیرے سوا کوئی نہیں دکھا سکتا۔ اور مجھ سے برُے اخلاق پھیر دے اور ان کو تیرے سوا کوئی نہیں پھیر سکتا۔ اس کی اہمیت پر نظر ڈالو کہ فخر عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تقرب و استجابت کے وقت حسن اخلاق ہی مانگتے رہے ہیں۔

(۲) بخاری شریف میں ہے۔

خیارکم احسنکم اخلاقاً .... ۵ تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

(۳) ایک حدیث میں ارشاد ہوا۔

مامن شیئ یوضع فی المیزان اثقل من حسن الخلق ۵ ترازو اعمال میں حسنِ خلق سے بڑھ کر کوئی چیز بھاری نہ ہوگی۔

(۴) خیر ما اعطی الناس خلق حسن ..... ۵ اللہ کی طرف سے جو چیزیں لوگوں کو عطا کی گئی ہیں ان میں سب سے زیادہ بہتر اچھے اخلاق ہیں۔

(۵) احب عباد اللہ الی اللہ احسنھم اخلاقاً ۵ اللہ کے نزدیک سب سے پیارا اللہ کے بندوں سے وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

ایک اور حدیث میں یہ مضمون مترشح ہے کہ قیامت میں مجھ سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا۔ جس کے اخلاق اچھے ہوں گے۔

فلسفہ علم الاخلاق

انسان کے شرف و کمال، علم و فضل پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان ہی کو اللہ تعالےٰ نے ولقد کرمنا

بنی آدم - ہم نے بنی آدم کو تکریم دی - کا تاج کرامت پہنایا - اور کائنات پر اسے شرف وفضل، علم وعمل سے فوقیت دی - اللہ تعالیٰ نے انسان کو جامع الحقائق مخلوق فرمایا - اس کے اندر حیوانیت و بہیمیت اور سبعیت کے حقائق کو بھی ودیعت کیا اسی لیے ارشاد ہوا - انہ کان ظلوما جھولا ۵

یہ آیت اس امر خداوندی کی طرف مشعر ہے - جہاں عالم سفلیات کے اوصاف کو انسان کے اندر رکھا گیا وہاں علویات یعنی حقائق عالم قدس اور جوہر ملکیت کو بھی انسان میں امانت رکھا گیا - جس کی طرف انا عرضنا الامانۃ (ہم نے امانت پیش فرمائی) کے کلمات سے اشارہ فرمایا گیا - اور ولقد کرمنا بنی آدم انی جاعل فی الارض خلیفۃ، ثم انشانا خلقا آخر اور اسی قسم کی بکثرت آیات اس مضمون کی طرف مشعر ہیں - تخلیق انسانی کے یہ اجزار جو انسان میں پائے جاتے ہیں - ان کا وجود ان اجزار کے تقاضوں کے ساتھ ضروری ہے - البتہ یہ لابدی امر ہے کہ ان میں بعض کو غلبہ ہوتا ہے جسے غلبہ حاصل ہوگا - اس کے تقاضے غالب رہیں گے - اور دوسرے اجزار مغلوب ہو کر رہ جائیں گے - اور یہ بات عقلمند سے پوشیدہ نہیں - کہ ان کی مغلوبیت سے ان کے تقاضوں کا مغلوب ہونا بھی ضروری اور لازمی ہے - نفس انسانی کی اصلاح کے لیے ان اخلاق کا غلبہ ضروری ہے - ان اخلاق کا تعلق عبادات سے ہو یا ایمان یا کسی اور شعبہ سے، ان پر کاربند ہونا اور انہیں اپنانا ایک ایسی ابدی فوز و فلاح کی طرف لے جاتا ہے جہاں خوشیاں اور راحتیں ہیں سورہ مومن میں عبادات کے ساتھ اخلاق کو بھی اہل ایمان کی ان ضروری صفات میں گنایا گیا ہے - جن پر ان کی کامیابی کا مدار ہے - فرمایا -

قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون والذین ھم عن اللغو معرضون والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون والذین ھم لفروجھم حٰفظون والذین ھم لامانتھم وعھدھم راعون ط والذین ھم علی صلاتھم یحافظون ۵
(سورۃ المؤمنون)

بے شبہ وہ ایمان والے کامیاب ہوئے جو اپنی نماز میں خضوع وخشوع کرتے ہیں اور جو نکمی بات پر دھیان نہیں کرتے - اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کے لحاظ رکھتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں -

ان آیات میں اہل ایمان کی کامیابی جن اوصاف کا نتیجہ بتائی گئی ہے - ان میں وقار و تمکنت (لغویات سے اعتراض) فیاضی (زکوٰۃ) پاک دامنی اور ایفاء عہد کو خاص رتبہ دیا گیا ہے - قرآن کریم نے [illegible] اپنے پیارے اور مقبول بندوں کے جو اوصاف اخلاقی بیان فرمائے ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں - گناہ سے [illegible] توکل، اجتناب صغیرہ وکبیرہ، بے حیائی سے پرہیز کرنے والے، باہمی مشورہ کرنے والے، آپس کے قصور معاف کرنے والے، ظلم سے دور - مظلوم کا بدلہ لینے والے، بیہودہ باتوں سے کنارہ کشی کرنے والے - ایثار علی نفس کرنے والے ہیں - انسان کے ذہنی وجسمانی اعمال کا جب سے وجود ہے - اخلاق کا وجود بھی اس وقت سے ہوا ہے - مگر ان اعمال کی حقیقت پر بحث -

اسباب وعلل کی تلاش، غرض وغایت کی تعین، یونانیوں کے عہد میں شروع ہوئی۔ ایک فریق نے اخلاق کی بنا اور جذبات پر قرار دیتا ہے۔ اور دوسرا عقل پر، ارسطو نے اخلاق کا مبنی نفس کو قرار دیا ہے۔

قوانین اخلاق کی بنیاد کس چیز پر ہے۔ کس وحی والہام سے ماخوذ ہیں۔ یا کسی بیرونی ماخذ سے۔ وحی والہام کے منکرین نے رسم ورواج، سوسائٹی، حکم بادشاہ کو قرار دیا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بادشاہ کا حکم، یا سوسائٹی کے رسم ورواج کی بنیاد خود کس اصول پر پڑی! بہرحال یہ ماخذ اندرونی ہی قرار پائے گا۔ دنیا کے تمام مذاہب کہتے ہیں کہ اخلاق کا ماخذ حکم خداوندی ہی ہے۔ لیکن اسلام اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ خدا نے اپنے احکام کو وحی کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اور اپنے بندوں کی فطرت میں بھی ودیعت رکھا ہے۔ اگر فطرت کسی سبب سے خاموش بھی ہو تو احکام الٰہی کی آواز اس کو پکار کر ہوشیار کر دے۔

مظلوم کی امداد خدا کا بھی حکم ہے۔ اور ہماری فطرت کے اندر بھی یہ ودیعت ہے۔ ہمارے ضمیر کا بھی یہی تقاضا ہے۔ اور وجدان بھی اسی طرح اسلام کو اچھا کہتا ہے۔ جس طرح ایک خوب صورت چیز کو خوب صورت یقین کرنے پر مجبور ہے۔ اخلاق کا کمال یہ ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ادا کیے جائیں۔ کہ یہ خدا کے احکام ہیں۔ جس کے ادا کرنے میں ہماری کوئی غرض نہ ہو۔ طرح طرح کے انواعِ نعمت کسی مہمان کی خاطر دستر خوان پر چن دیں جس میں ذاتی نفع یا ریا کاری ہو یہ اخلاق کی روح کو فنا کرنے کے مترادف ہے۔ لیکن اگر ہم اخلاص اور بے غرضی کے ساتھ نان و نمک ہی رکھ دیں تو اس کی وقعت اور قدر وقیمت کی کوئی انتہا نہ ہو گی۔

دنیاوی کاموں میں جب یہ اثرات پائے جاتے ہیں تو روحانی عالم میں ان کے نتائج کہاں تک ہوں گے بے غرضی کے ساتھ ہماری قلبی کیفیات بھی اس میں ساتھ دیں۔ جسے نیت صادقہ کہا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے۔

انّما الاعمال بالنّیات ؕ انسان کے اعمال اس کی نیت پر موقوف ہیں۔

یہ نیت صادقہ اخلاق میں اخلاص اور بے ریائی بھی پیدا کر سکتی ہے۔ جب کہ اس قلب کی اندرونی کیفیات یہ یقین جازم اور پختہ ہو کہ ایسی ہستی ہے۔ جو لَا تُدرِکُہُ الاَبصَارُ وَھُوَ یُدرِکُ الاَبصَارَ ہے جو ہمارے ہر اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اور ایک دن ہمارے اعمال کی جزا یا سزا ملے گی۔ یہی وہ چیز ہے جو اخلاق کی اصل اور روح ہے۔ عقیدۂ توحید ہی اخلاقِ حسنہ کی جڑ ہے ایمان باللہ کے بغیر اخلاق کی تکمیل متصور ہی نہیں۔ جب تک کسی واقف اسرار، عالم الغیب، دانائے راز اور قلب کی ہر حرکت و جنبش سے باخبر ہستی کا اور اس کے سامنے عمل کے مواخذہ، باز پُرس اور جواب دہی کا یقین نہ ہو گا۔ دل میں اخلاص کا جوہر اور نفس میں دنیاوی اغراض سے پاکیزگی کی روح پیدا نہیں ہو سکتی نہ ہی بے غرضانہ اور بلند اخلاق کا وجود ہو سکتا ہے۔

شریعت مطہرہ میں صرف نفس عمل ہی مطلوب نہیں۔ بلکہ وہ عمل مطلوب ہے جس کی غرض و غایت صحیح ہو اگر عمل کو قالب کی حیثیت دیتے ہو تو اس کی صحیح غرض و غایت اس لیے روح ہے۔ اگر کسی مظلوم کی حمایت، کمزوری کی دادرسی کا مقصد، اس کی غرض وغایت محض انعام ہے یا سوسائٹی میں اونچا مرتبہ حاصل کرنا ہے۔ تو یہ ذاتی منفعت ہے۔ دنیا کی کوئی غرض بھی اس سے متعلق ہو تو اخلاق ہنوز پستی میں ہیں۔ ہاں بے غرض، محض اللہ کے لیے دادرسی وحمایت مظلوم ہو۔ تو یہ انسان کے اخلاق کی معراج ہے۔ ہر آدمی کا دل اسے بتا دیتا ہے۔ کہ یہ تیرا فعل محض نیکی ہے۔ یا اس میں بدی کی ملاوٹ ہے۔ اسی لیے فخر دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے النواس بن سمعان کو کہا کہ "نیکی حسن اخلاق کا نام ہے"

ضمیر کی آواز خود بخود راہبری کرتی ہے۔ کہ حسنِ اخلاق یعنے نیکی سے دل کو طمانیت وسکون حاصل ہوتا ہے اگر ضمیر کی آواز کو دبایا جائے تو دل کی صاف و بے داغ لوح پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ اگر اپنی اس بدی اور برے اخلاق سے باز نہ آئے تو اس کا پورا دل ہی سیاہ ہو جاتا ہے۔ جہاں پہنچ کر نیکی و بدی کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ بُرے اخلاق کو اچھا اور اچھے اخلاق کو بُرا سمجھ لیا جاتا ہے۔ اس کے بخلاف اگر حسن اخلاق کا جوہر قلب میں پیدا ہو تو اسے انوار رحمت و برکت سے مملو کر کے۔ قوت ملکیہ کے جوہر کو پیدا کر دیتا ہے۔ یہی وہ اخلاق حسنہ ہیں۔ جو معاشرے میں تطہیر کر کے فرشتہ سیرت آدمی پیدا کر سکتے ہیں۔

کانہم ملائکۃ یمشون علی الارض	گویا فرشتے ہیں جو زمین پر چل رہے ہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:۔

فخر دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

ان سمعتم الجبل زال عن مکانہ فصدّقوا ہ وان سمعتم الرجل زال عن خلقہ فلا تصدّقوا ہ۔	اگر تم سنو کہ پہاڑ اپنے مقام سے ہٹ گیا تو تصدیق کر لینا اور اگر تم سنو کہ آدمی اپنے اخلاق سے ہٹ گیا ہے تو اس کی تصدیق نہ کرنا۔

بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسی شخص کے اخلاق میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یا درہے اخلاق کا تعلق حسنہ اور سیئہ دونوں سے ہے۔ ایسی صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اصلاح اخلاق ایک بے معنی شئے ہو کر رہ جاتی ہے۔

ازالہ یہی ہو سکتا ہے کہ اخلاق سے یہاں مراد وہ حقائق طبعیہ اور خلقیہ ہیں جن پر انسانی وجود کی عمارت تعمیر ہوئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس خلقت الٰہی سے تعمیر شدہ عمارت کو بدلنا ممکن ہی نہیں "لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ"

مفہوم بھی یہی ہے۔ لیکن دوسری حدیث شریف میں بھی وارد ہوا ہے۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق کہ میں تکمیل اخلاق حسنہ کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔

جو اس امر کو واضح اور صاف کر دیتی ہے۔ کہ انسانی اخلاق میں بہیمیت، سبعیت، ملکیت اور روحانیت کا اجتماع کر دیا گیا ہے اور اسے خیر و شر کے حقائق کا جامع کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی، یہ بھی انسان کے اختیار میں شامل کر دیا گیا ہے۔ کہ وہ مذکورہ حقائق میں سے، ان حقیقتوں کو غالب اور بروئے کار لا سکتا ہے، جو مبنی بر خیر ہیں۔ اور مکارم اخلاق کا منشا بھی یہی ہے۔ کہ انسان اپنے ملکی اور روحانی تقاضوں کو پورا کرنے کی اختیاری کوشش کرے۔ اس کوشش کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ وہ روحانیت اور ملکیت جو ملکات فاضلہ اور اخلاق حسنہ کا منشا ہے۔ غالب ہو کر اسے مقام عروج تک لے جائے گی۔ اور اخلاق رذیلہ مغلوب ہو کر اس کے تابع ہو جائیں گے۔ جیسے ایک مخلص روزہ دار۔ اپنے عمل سے روحانیت و ملکیت کو غلبہ دینا چاہتا ہے۔

جس کا لازمی نتیجہ بہیمی خواہشات کو مغلوب کرنے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اس میں اخلاقِ حسنہ پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ ملکیت کے تابع ہو جائے گا۔ اور اخلاق ذمیمہ اس سے صادر نہ ہوں گے۔ اور یہی وہ جوہر ہے جس کا ہر صالح تمدن، ہر زمانہ میں محتاج رہا ہے۔ انسانی امور میں سب سے زیادہ اہمیت اصلاح اخلاق کو حاصل ہے۔ تاکہ اس کے فطری و طبعی تقاضے مکمل ہوں۔

شریعت بیضا محمدیہ نے مکمل نظامِ حکمت عملیہ کو اخلاق حسنہ کی صورت میں پیش کر دیا۔ اس اخلاق حسنہ کی حقیقت کبریٰ ہمیں صرف ایک ذات مقدس میں نظر آتی ہے اور وہ ذاتِ کریمہ فخر عالم، نور مجسّم صلے اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم کی ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

"اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" جن کی سیرت طیبہ مجسم خلق حسنہ تھی۔

حقیقت یہی ہے کہ بغیر اس حقیقت کبریٰ تک پہنچنے کے ہمارے دامن میں اخلاق حسنہ کے سدا بہار پھول آ ہی نہیں سکتے۔

جن کا خلق عظیم قرآنی آیات دسوتیں ہیں۔

حقیقت میں ان کی سیرت پاک پر چلنے کا نام ہی اخلاق حسنہ ہے۔ جس کے بغیر انسان انسان نہیں، جس کی سیرت طیبہ سے حصہ لیے بغیر انسانیت کبھی بھی شرافت و دیانت، عفت و حیاء

ایثار و سخاوت، رحم و کرم و دیگر اخلاق کے باب سے حصہ نہیں لے سکتی۔ اور اس کا دامن ہمیشہ ہمیشہ ان مقدس الفاظ سے خالی رہے گا۔ جب تک کہ دامن مصطفےٰ علیہ السلام میں ان چیزوں کا حصہ نہ لے۔

ہم باب اخلاق کو بالاحاطہ و بالتفصیل نہیں پیش کر سکتے۔ پھر بھی چند متعلقات ضرور بیان کر دیے ہیں۔

فللہ الحمد والصلوٰۃ علی نبیہ صاحب خلق عظیم